# مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان وراثت کا مسئلہ ایک تجزیاتی مطالعہ

**مؤلف**

ڈاکٹر حسن اشفری

**مترجم**

ڈاکٹر صفدر زبیر ندوی

**اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)**

# مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان وراثت کا مسئلہ
# ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر حسن اَشفری ☆
(ترجمہ: ڈاکٹر صفدر زبیر ندوی)

قوموں اور تہذیبوں کی تاریخ پر جو شخص بھی نظر ڈالے گا وہ یہ محسوس کرے گا کہ مال کے مسائل خصوصاً آمد وخرچ اور وراثت کے مسائل واحکام پر دوسری اقوام کی بہ نسبت مسلم قوم نے زیادہ توجہ دی، یہ صرف دعوی بلا دلیل نہیں ہے، اور نہ اسلام کی حمایت میں کوئی مبالغہ آمیز جوش وجذبہ ہے، بلکہ یہ ایسی حقیقت ہے جسے آیات واحادیث بیان کرتی ہیں، اور علماء کی کتابیں ٹھوس ثبوتوں کے ذریعہ جس کی تائید کرتی ہیں، اور یہ ایک ایسا یقینی علم ہے جو تحقیق کرنے والے اسکالرز اور پختہ علم والے افراد کو ہی حاصل ہوتا ہے۔

اس مقالہ میں ہم خصوصیت سے اس علم کا ذکر کریں گے جو اسلامی علوم میں سب سے زیادہ عزیز اور بہت ہی نفیس علم ہے، اور جو سب سے زیادہ دقیق اور بہت ہی دشوار گذار ہے، اور جو لوگوں کی مالی حالت کو مستحکم کرنے میں سب سے زیادہ سودمند اور صلاحیت والا ہے، بلاشبہ وہ میراث کا علم (یعنی علم الفرائض) ہے، یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ بنیادی ربانی علم ہے، واجب التنفیذ ہے، جامع ہے، عدل والا ہے، اور عاجزی کی حد تک تھکا دینے والا ہے۔

فرضیین (۱) (علم فرائض کے ماہرین) کے نزدیک یہ واضح ہے کہ اسلام میں دو آدمیوں کے درمیان میراث کا عمل اس وقت تک جاری نہیں ہوتا جب تک اس کے تمام ارکان نہ پائے جائیں، اور اس کی تمام شرطیں سامنے نہ رکھی جائیں، اور اس کی تمام (موانع) رکاوٹوں کو دور نہ کرلیا جائے۔

جمہور علماء کے نزدیک وراثت کے مشہور موانع میں سے کفر کا پایا جانا ہے، کفر سے مراد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں علماء کے اقوال کیا ہیں؟ اسلام میں وراثت جاری ہونے میں اس کو مانع قرار دینے کا مقصود شرعی کیا ہے؟

☆ استاذ فقہ، کلیۃ الشریعہ اَغادیر، جامعۃ القرویین، مراکش۔

جمہور کے مذہب کا بیان:

جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ دو الگ الگ دین کے ماننے والوں کے درمیان کبھی بھی وراثت جاری نہیں ہوسکتی (۲)، لہذا کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہوگا، اسی طرح کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں قرار پائے گا، اس لئے کہ دین کا مختلف ہونا میراث کے معتبر موانع میں سے ایک مانع ہے؛ چنانچہ ان کے نزدیک لفظ ''کافر'' سے مراد ہر وہ شخص ہوگا جو دین اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو ماننے والا ہو، خواہ وہ آسمانی مذاہب کے ماننے والوں یا خود ساختہ مذاہب کے ماننے والوں میں ہو یا کسی اور مذہب کا ماننے والا ہو، اور خواہ وہ حربی ہو یا سلمی، معاہد ہو یا ذمی، یہی رائے خلفائے راشدین سے مروی ہے، یہی ائمہ اربعہ (امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد) کا مذہب ہے، اور یہی عام فقہاء امصار کا مذہب ہے، اور موجودہ اکثر مسلم ممالک میں اسی قول پر عمل ہے (۳)۔

اس مذہب کے صحیح ہونے میں جمہور مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کرتے ہیں:

۱-متفق علیہ حدیث ہے: **''لا یرث المسلم الکافر، ولا الکافر المسلم''** (۴) (مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوگا)، اس باب میں یہی حدیث اصل ہے، اور یہ حدیث صحیح ہے، عبارت سے ہی اس کا معنی واضح ہے۔

۲-حدیث ہے: **''لا یتوارث أهل ملتین شتی''** (۵) (دو مختلف دین رکھنے والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے)، لفظ ''ملتین'' کے مطلق ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ایک جانب دین اسلام ہے اور دوسری جانب اس کے مقابلہ میں دوسرے تمام ادیان ہیں، ورنہ صاحب اقتدار فقہاء کو یہ حق ضرور ملتا کہ وہ دوسرے دین والوں کو اسلامی قانون وراثت کو ماننے پر مجبور کریں، لیکن ایسا نہیں ہے، امام محمد بن حسن الشیبانی مؤطا میں کہتے ہیں: کفر ایک ملت ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں، چاہے ان کے دین مختلف ہوں، یہودی نصرانی کا وارث ہوتا ہے اور نصرانی یہودی کا وارث ہوتا ہے۔

یہ قول مالکیہ کے نزدیک ضعیف قول ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ دین کے مختلف ہونے کے باوجود کافروں کے درمیان وراثت کے جاری ہونے کے سلسلہ میں علماء مالکیہ کے تین اقوال ہیں، اس بات کو بنیاد بناتے ہوئے کہ کیا کفر ایک ہی ملت ہے یا متعدد ملتیں ہیں؟:

الف-مشہور یہ ہے کہ کفر متضاد متعدد ملتیں ہیں، لہذا اگر ملتیں مختلف ہیں تو کفار کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی۔

ب – یہ کہ کفر تین ملتیں ہیں: یہودیت ایک ملت ہے، نصرانیت ایک ملت ہے، اور ان دونوں کے علاوہ ایک ملت ہے، اس بنیاد پر یہودی اور نصرانی کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی، اور نہ ان دونوں میں سے کسی ایک اور ان دونوں کے علاوہ کے درمیان وراثت جاری ہوگی، جبکہ ہر ملت آپس میں ایک دوسرے کی وارث ہوگی، ایک روایت کے مطابق امام احمد اسی کے قائل ہیں۔

ج – یہ کہ کفار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اگرچہ ان کی ملتیں مختلف ہوں، اس لئے کہ کفر ایک ملت ہے، حنفیہ اسی کے قائل ہیں، شافعیہ کا یہی صحیح قول ہے اور امام احمد سے ایک روایت یہی ہے(۶)۔ اور پہلی حدیث میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔

## غیر جمہور کے مذہب کا بیان:

اس مذہب کے مقابل ایک دوسرا مذہب ہے جو ایک چیز میں جمہور کی رائے کے موافق ہے اور دوسری چیز میں اس کے مخالف ہے۔

## اول: محل اتفاق:

تمام لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی بھی حال میں کافر کو مسلمان کا وارث قرار دینا حرام ہے، اس لئے کہ یہ مسلمانوں کو محتاج بنانے اور دین پر عمل کو حقیر سمجھنے کا سبب بنے گا، اس سلسلہ میں بہت سی دلیلیں پیش کرتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں(۷):

## قرآن کریم سے:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ”**ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا**“(۸)، اور ارشاد ہے: ”**رب إن ابني من أهلي وإن وعدك الحق وأنت أحكم الحاكمين، قال يا نوح إنه ليس من أهلك إنه عمل غير صالح فلا تسألن ما ليس لك به علم**“(۹)، ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اس آیت پر تعلیق کرتے ہوئے لکھا ہے: اللہ تعالی نے باپ اور بیٹے کے درمیان رشتہ کو ختم کر دیا اور اس کو باپ کے اہل خانہ کافر نہیں مانا، تو اس طرح اللہ تعالی نے ان دونوں کے درمیان ایمان اور کفر کو واضح کر دیا(۱۰)۔

## سنت نبوی ﷺ سے:

حدیث ہے جسے جماعت نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إن الإسلام يزيد ولا ينقص" (۱۱) (بلاشبہ اسلام بڑھتا ہے، گھٹتا نہیں ہے)، اور اسی معنی کی اور بھی احادیث وآثار ہیں جو اسلام اور اہل اسلام کی رفعت وسربلندی پر دلالت کرتی ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی پیروی کرنے میں مصالح حاصل ہوتے ہیں اور مفاسد دور ہوتے ہیں۔

### اجماع سے:

اس مسئلہ پر بہت سے اہل علم نے اجماع نقل کیا ہے، چنانچہ ابن رشد (متوفی ۵۹۵ھ) بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں: مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں بنے گا (۱۲)۔

### دوم: محل اختلاف:

اس رائے کے حاملین کے قول سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمان کو کافر کا وارث بنانا جائز ہے (برخلاف جمہور کے کہ وہ اس سے منع کرتے ہیں)، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ سے جواز کی رائے نقل کی گئی ہے، انہوں نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا، لیکن کافر کو مسلمان کا وارث نہیں بنایا، محمد بن حنفیہ، علی بن حسین، سعید بن المسیب، مسروق، عبداللہ بن معقل الشعبی، یحیی بن یعمر، اسحاق بن راہویہ اور ایک جماعت سے بھی یہی رائے بیان کی گئی ہے (۱۳)، متأخرین علماء میں سے علامہ ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) اور ان کے شاگرد علامہ ابن القیم (متوفی ۷۵۱ھ) اور معاصر علماء میں سے ڈاکٹر یوسف قرضاوی اور ڈاکٹر سعود بن عبداللہ الفنیسان (۱۴) وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

مسلمان کو کافر کا وارث قرار دینے کے جواز کے قائلین درج ذیل دلائل سے استدلال کرتے ہیں:

### حدیث قولی:

امام ابوداؤد اور امام احمد نے روایت کیا ہے کہ دو بھائیوں نے (جن میں سے ایک یہودی تھا اور ایک مسلمان)، اپنے ایک کافر بھائی کی میراث کے سلسلہ میں یحیی بن یعمر کے پاس مقدمہ پیش کیا، تو انہوں نے مسلمان کو ان دونوں کا وارث قرار دیا، اور کہا کہ مجھ سے ابوالاسود نے بیان کیا کہ ایک آدمی نے ان سے بیان کیا کہ حضرت معاذؓ نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "الاسلام يزيد ولا ينقص" (اسلام بڑھتا ہے گھٹتا نہیں)، لہذا مسلمان وارث ہوگا (۱۵)۔

امام احمد بن حنبلؒ، یحیی بن یعمر سے اور وہ ابوالاسود سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا: حضرت معاذؓ

یمن میں تھے، تو لوگوں نے ایک یہودی کی وراثت کے سلسلہ میں ان کے پاس مقدمہ پیش کیا جو مر گیا تھا اور اپنے پسماندگان میں ایک مسلمان بھائی کو چھوڑا تھا، تو حضرت معاذؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "إن الاسلام یزید و لا ینقص" (کہ اسلام بڑھتا ہے گھٹتا نہیں ہے) تو انہوں نے مسلمان کو اس کا وارث قرار دیا(۱۶)، اس دلیل میں علت وہ ہے جس کی طرف ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اشارہ کیا کہ اسلام مسلمانوں کے لئے خیر میں اضافہ کا سبب بنتا ہے، محرومی اور نقصان کا سبب نہیں بنتا ہے(۱۷)، اسی طرح ایک حدیث یہ بھی ہے: "الإسلام یعلی و لا یعلی" (۱۸) (اسلام غالب ہوتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا ہے)، دونوں حدیثوں کا مفہوم تقریبا یکساں ہے۔

## عملی حدیث:

اس سے استدلال علامہ ابن تیمیہ نے کیا ہے وہ کہتے ہیں: سنت متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے منافقین کے ساتھ ظاہری احکام میں مسلمانوں کا سا معاملہ فرماتے تھے، چنانچہ وہ وارث بھی ہوتے تھے اور ان کے وارث بھی بنائے جاتے تھے، عبد اللہ بن اُبی وغیرہ کا انتقال ہوا جن کے منافق ہونے کی گواہی قرآن نے دی، اور جن پر نماز پڑھنے اور ان کے لئے استغفار کرنے سے رسول اللہ ﷺ کو روک دیا گیا، تو مسلمان وارثین ان کے وارث ہوئے... اور نبی ﷺ نے کسی منافق کے ترکہ میں سے کچھ بھی نہیں لیا، اور نہ اسے مال فئی بنایا، بلکہ اسے ان کے وارثوں کو دے دیا، اور یہ یقینی امر معلوم ہے، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ میراث کا مدار ظاہری نصرت پر ہے، نہ کہ دلوں کے ایمان اور باطنی موالات پر(۱۹)۔

## قیاس:

ان لوگوں نے اس سلسلہ میں قیاس سے بھی استدلال کیا اور کہا: ہم ان کی عورتوں سے شادی کرتے ہیں، لیکن وہ ہماری عورتوں سے شادی نہیں کر سکتے، اور یہ ثابت شدہ اصول ہے، تو اس پر قیاس کرتے ہوئے ہم ان کے وارث ہوں گے وہ ہمارے وارث نہیں ہو سکتے (۲۰)۔

## مصلحت کی رعایت کرنا اور مقصد کو پیش نظر رکھنا:

علامہ ابن تیمیہ نے شریعت کے اعلی مقاصد اور اس کے عظیم اصولوں کو حجت مانا ہے وہ کہتے ہیں: ان مسائل میں وارث بنانا(۲۱) شریعت کے اصولوں کے موافق ہے، لہذا یہ مسلمانوں کے لئے انعام ہے اور اہل ذمہ کی زندگی بچانے، ان کی طرف سے جنگ کرنے، اور ان کے جان و مال کی حفاظت کرنے اور ان کے قیدیوں کا فدیہ ادا کرنے کی وجہ سے ان پر یہ حق ہے...، لہذا مسلمان کفار کے مقابلہ میں ان کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں (۲۲)۔

علامہ ابن القیم نے اس مسئلہ میں عجیب مذہب اختیار کیا اور اس مسئلہ کو سمجھنے میں مشکل ترین مرحلہ تک آ گے بڑھ گئے جہاں انہوں نے اپنی نگاہ دوررس کو اس مسئلہ کے عملی اثرات اور اس کے منفعت بخش مقاصد تک پہنچایا، اور یہ رائے ظاہر کی کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں کا وارث بنانے میں اسلام کی طرف ان ذمیوں کو راغب کرنا ہے جو اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہیں، ان میں سے اکثر کے اسلام میں داخل ہونے سے یہ خوف بھی مانع ہے کہ اگر ان کے مالدار رشتہ داروں کی موت ہوجائے تو مسلمان ہونے کی صورت میں انہیں ان کی وراثت میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا، ان میں سے کئی لوگوں کی زبان سے میں نے یہ خود سنا ہے، تو اگر ان کو یہ معلوم ہوجائے کہ ان کے مسلمان ہوجانے کے باوجود میراث سے ان کا حصہ ساقط نہیں ہوگا، تو اسلام لانے میں جو مانع ہے وہ کمزور پڑ جائے گا اور اسلام کے تئیں ان کی رغبت بڑھ جائے گی، اور یہی ایک سبب تخصیص کے لئے کافی ہے، اور وہ (مجتہدین) اس سے بہت ہی کمتر درجہ کی علت کی بنیاد پر عموم کی تخصیص کر دیتے ہیں، لہذا یہ ایک ظاہری مصلحت ہے جس کا اعتبار شریعت اکثر تصرفات میں کرتی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ اس کی مصلحت ان کی عورتوں سے شادی کرنے کی مصلحت سے بڑھی ہوئی ہے، اور یہ ان میں سے نہیں ہے جن سے اصول شرع کی مخالفت لازم آتی ہو(۲۳)۔

ڈاکٹر قرضاوی نے اس مسئلہ کے مصلحتی پہلو کو بطور حجت پیش کیا اور کہا: میں اسی رائے کو راجح قرار دیتا ہوں؛ اگرچہ جمہور اس کے قائل نہیں ہیں، اور میرا خیال یہ ہے کہ اسلام کسی مسلمان کو حاصل ہونے والے نفع یا خیر کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کرتا ہے... اور مال کے سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ اسے اللہ تعالی کی اطاعت کے لئے محفوظ کیا جائے نہ کہ اس کی معصیت کے لئے، اور لوگوں میں اس کے سب سے زیادہ حقدار مسلمان ہی ہیں (۲۴)۔

## تاویل:

جمہور نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان کی ان حضرات نے اس طرح تاویل کی ہے:

ان حضرات نے حدیث "**لا یرث المسلم الکافر و لا الکافر المسلم**" کی وہی تاویل کی ہے جو تاویل حنفیہ نے حدیث "**لا یقتل مسلم بکافر**" (۲۵) کی ہے، اور کہا کہ کافر سے مراد حربی ہے نہ کہ منافق، مرتد یا ذمی؛ چنانچہ مسلمان حربی کا وارث نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ ان کے درمیان تعلق منقطع ہوجاتا ہے(۲۶)۔

## فریقین کے دلائل کا تجزیہ:

جو شخص بھی علم اصول کے میزان میں فریقین کے دلائل کو پرکھے گا وہ یہ جان لے گا کہ حدیث "**لا یرث المسلم**

الکافر، و لا الکافر المسلم" ہی اس مسئلہ میں اصل ہے، اور اسی کی طرف رجوع ہونا چاہئے، یہ نص صحیح قطعی الدلالۃ ہے، اور اس کے مثل کے علاوہ کی طرف عدول نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ کوئی معتبر شرعی ضرورت ہو۔

مختلف دلائل جن کا ذکر مخالفین نے کیا ہے، اور انوکھی توجیہات جن سے اس مسئلہ میں انہوں نے کام لیا ہے اور عظیم مقاصد جن کو بروئے کار لانے کا انہوں نے قصد کیا ہے... یہ سب مل کر بھی علماء اسلام کے سواد اعظم کے مقصود کی مخالفت کے لئے کافی نہیں ہوسکتے، اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

**پہلی وجہ: عام کو خاص پر محمول کرنا ان دونوں کے درمیان تعارض پیدا کرنے سے زیادہ بہتر ہے:**

وہ اس طرح کہ جمہور کی رائے کی تردید میں بیان کئے گئے حدیثی نصوص کے معانی میں عموم پایا جاتا ہے، مثال کے طور پر "الاسلام یزید و لاینقص"(۲۷) اور "الإسلام یعلو و لا یعلی"(۲۸) والی حدیثیں ہیں، ان احادیث کے الفاظ کے عموم کو اس مسئلہ میں نص کا درجہ رکھنے والی حدیث "لا یرث المسلم الکافر، و لا الکافر المسلم" کے ذریعہ خاص کردیا گیا ہے، اور اصولی قاعدہ یہ ہے کہ جب عام اور خاص میں تعارض ہوجائے تو نص خاص کو مقدم کیا جائے گا، اس لئے کہ عمومی نصوص کی دلالت ظنی ہوتی ہے، لہذا قطعی الدلالۃ خاص نصوص کی مخالفت کرنے کی قوت اس میں باقی نہیں رہتی ہے۔

رہا مسئلہ عملی سنت کا جس سے مخالفین نے استدلال کیا ہے تو وہ محل نظر ہے، اس لئے کہ جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا گہرائی سے مطالعہ کرے گا وہ یہ جان لے گا کہ رسول اللہ ﷺ کا منافقین کے ساتھ جو معاملہ تھا وہ اعلانیہ کفر کرنے والوں کے ساتھ آپ ﷺ کے معاملہ سے الگ ہے، چنانچہ منافقین کا گرچہ عقیدہ کفریہ ہے، لیکن وہ ایمان کا اظہار کرتے ہیں، اور اسلام کے ارکان بظاہر ان کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں، اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ معاملہ کی بنیاد ظاہر پر رکھی اور خفیہ باتوں اور بھیدوں کو اللہ کے حوالہ کردیا۔

اس کی تائید میں وہ روایت بھی ہے جسے امام مالک نے اپنی مؤطا میں حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "ورث أباطالب عقیل و طالب و لم یرثه علي"(۲۹) (حضرت طالبؓ اور عقیلؓ ابوطالب کے وارث بنے اور حضرت علیؓ کو ان کی وراثت نہیں ملی)۔

**دوسری وجہ: فاسد قیاس کرنا:**

اور ان کا یہ کہنا کہ ہم ان کی عورتوں سے شادی کرتے ہیں وہ ہماری عورتوں سے شادی نہیں کرسکتے، لہذا اس طرح

ہم ان کے وارث ہوں گے وہ ہمارے وارث نہیں ہوں گے، تو یہ قیاس فاسد ہے، اس لئے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، اسلام کے قانون میراث پر شادی بیاہ کا قانون جاری نہیں ہوتا ہے کہ اس پر قیاس کرلیا جائے، جب ہم نے فقہ اسلامی کی کتابوں کی خاک چھانی تو یہ معلوم ہوا کہ وراثت کا ایک مستقل نظام ہے اور یہ نظام بالکل الگ ہے، اس بنا پر اہل کتاب سے حاصل ہونے والی وراثت کو ان کی عورتوں سے شادی کے جواز پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں دوری اور تعلق کا منقطع ہوجانا ہے۔

## تیسری وجہ: تاویل کا صریح نصوص کے تقاضوں سے دور ہونا:

مخالفین نے جن تاویلات پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے وہ صحیح صریح نصوص کے تقاضوں کے خلاف ہیں، میرے نزدیک اصل سے مقصود حدیث "**لا یرث المسلم الکافر و لا الکافر المسلم**" ہے، اور جو اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ اس نص کی دلالت اس روایت کے لئے قطعی ہے جس کو امام مالکؒ نے مؤطا میں متصل سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا: "**لا یرث المسلم الکافر**" (۳۰) (مسلمان کافر کے وارث نہیں ہوں گے)، اور اس میں کوئی اضافہ نہیں فرمایا، تو اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حدیث کے اسی شق پر مزید تنبیہ ہے، گویا آپ ﷺ کو یہ یقین تھا کہ صحابہ نے ان کی یہ بات سمجھ لی ہے کہ کافر مسلمان کے وارث نہیں ہوں گے، چنانچہ یہ حدیث تذکیر کے طور پر آئی ہے کہ مسلمان بھی کافر کے وارث نہیں ہوں گے، اس کو اس مثال سے اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ کوئی آدمی اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہے کہ ''فلاں سے مت ملو اور نہ وہ تم سے ملے نی نی پھر نکلتے ہوئے دروازہ کے پاس پہنچے اور اس کی طرف متوجہ ہو کر صرف اتنا کہے کہ ''فلاں سے مت ملو نی نی اور پہلی والی گفتگو کو پورا ادا نہ کرے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ نص حدیث میں موجود تقابل ہی مقصود بالذات ہے، اور یہی وہ چیز ہے جس کو ہم قرآن کے اس عمومی قاعدہ سے پوری طرح ہم آہنگ سمجھتے ہیں: "**لکم دینکم ولي دین**" (۳۱) (تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ہے)۔

## چوتھی وجہ: مصلحتوں کے درمیان تعارض کا پایا جانا:

مخالف جماعت نے جن اچھے مقاصد اور بہتر مصالح کو بیان کیا ہے ایسا نہیں ہے کہ یہ صحابہ، تابعین اور اکابر علماء کی رائے سے الگ ہے؛ بلکہ ان حضرات نے اس مقصد کے برخلاف دوسرے بڑے مصالح اور بلند مقاصد کو پیش نظر

رکھا، مسلمان کو کافر کا وارث ہونے سے روکنے میں اس بات کی طرف توجہ دلانا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کی وجہ سے عزت والا ہے، اور اپنے دشمنوں سے مستغنی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**أيبتغون عندهم العزة فإن العزة لله جميعا**'' (۳۲)۔

پھر جس شخص کو عزیز و اقارب کا مال چلے جانے کا خوف اس کو اسلام قبول کرنے سے روک دے اس کے نزدیک مال ہی اس کا معبود ہوگا، اور دنیا کی عزت حاصل کرنا اس کا مقصود ہوگا، تو ایسے شخص پر ضروری ہے کہ سب سے پہلے اپنے دل سے مال کی چاہت کو دور کرے، اور پھر عزت وشرافت اور پاکدامنی کی صفات سے اپنے دل کو آراستہ کرے، اس لئے کہ اللہ ہی ہے جس کو چاہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہے ذلت میں مبتلا کر دیتا ہے، اور وہی ہے جس کو چاہے غنی کر دیتا ہے اور جس کو چاہے محتاج بنا دیتا ہے۔

اگر ہم یہ جائز قرار دیں کہ مسلمان کافر کے وارث ہوں گے، تو ہم حریص مسلمانوں کے لئے حرص کا دروازہ کھول دیں گے، اس لئے کہ ان میں سے ایک گروپ اہل کتاب کی عورتوں سے اور خاص طور پر ان کی عمر دراز عورتوں سے شادی کرنے کی طرف راغب ہوجائے گا، ان کے مال کی میراث کے حصول کی خاطر نہ کہ ان کے اسلام لانے کی محبت میں، اور مسلم نوجوانوں کے فتنہ میں مبتلا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے، اس باب میں اتنے ہی کی توفیق ملی جس سے ہم مطمئن ہیں، اللہ تعالی مراد کو زیادہ جاننے والا ہے، اور وہی احکم الحاکمین ہے، واللہ اعلم۔

جہاں تک والد کا اپنے مال کو اولاد کے درمیان تقسیم کرنے کا مسئلہ ہے تو اس کی دو قسمیں ہیں، جیسا کہ فقہ اسلامی کی کتابوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے:

۱— اگر عدل ومساوات کے ساتھ ہو تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔

۲— اگر ان کے درمیان فرق کے ساتھ ہو کہ بعض کو دیں اور بعض کو نہ دیں، یا بعض کو بعض پر فوقیت دیں تو اس سلسلہ میں چار اقوال ہیں: مطلق کراہت کے ساتھ جواز کا ہے، مطلق ممنوع کا ہے، ضرورت کی قید کے ساتھ جواز کا ہے، ہبہ کی قید کے ساتھ جواز کا ہے۔

پہلا قول: مالکیہ کے نزدیک مشہور قول کراہت کا ہے، لیکن اگر ایسا ہوجائے تو جائز ہے، ان حضرات نے حدیث سابق میں مذکور مساوات کے حکم کو مندوب اور نہی تنزیہی پر محمول کیا ہے (۳۳)، حدیث سابق یہ ہے: ''**فأشهد على هذا غيري**'' (اس معاملہ پر میرے علاوہ کو گواہ بنالو)، یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ مکروہ ہے یا امر احسن سے خارج ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے آپ کو تو اس سے بچایا لیکن دوسرے کو اس سے بچنا واجب نہیں قرار

دیا، اگر وہ بالکل ممنوع ہوتا تو دوسروں کو نہ اس کا حکم دیتے اور نہ اس کی اجازت مرحمت فرماتے (۳۴)۔

دوسرا قول: امام مالک سے مروی ایک غیر مشہور قول ممنوع کا ہے، اور یہی ظاہریہ کا مذہب ہے (۳۵)، بخاریؒ نے ''ترجمۃ الباب فی فی میں اس کی صراحت کی ہے، اور بخاری کا مذہب ان کے ''تراجم الباب'' میں ہے، اور یہی طاؤس، ثوری، اسحاق اور بعض مالکیہ کا قول ہے، اس قول کی بنیاد پر اگر تفاوت واقع ہو تو یہ باطل ہے (۳۷)، اس لئے کہ بعض اولاد کو بعض پر تقسیم میں ترجیح دینا ناجائز ہے، خواہ ضرورت کی وجہ سے ہو یا غربت کی وجہ سے یا مرض کی وجہ سے ہو، یہ ایک قسم کا ظلم ہے، جیسا کہ سابق حدیث میں ہے، یہ بھائیوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرتا ہے اور ان کے درمیان عداوت کی آگ کو بھڑکاتا ہے، لہذا والد پر واجب ہے کہ اپنی اولاد کے درمیان عدل سے کام لے، اور ان کے دلوں میں آپسی محبت کی حفاظت کرے، اور ان امور سے بچے جو اس کے برخلاف ہوں، اور انہوں نے اس حدیث ''**فأشهد على هذا غيري**'' کی تاویل کرتے ہوئے اسے زجر و توبیخ پر محمول کیا نہ کہ اباحت پر (۳۸)۔

تیسرا قول: امام احمد کی ایک روایت میں ہے کہ بعض بیٹوں یا بیٹیوں کو بعض پر ترجیح دینا یا بعض اولاد کو چھوڑ کر صرف بعض اولاد کے لئے وقف کو خاص کر دینا اگر اثرۃ (۳۹) کے طریقے پر یعنی ظلما ہو تو یہ مکروہ ہے، اور اگر اس کی بنیاد یہ ہو کہ بعض اولاد کثیر العیال ہیں اور وہ ضرورتمند ہیں تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۴۰)، اور اسی قول پر قیاس کرتے ہوئے باپ اگر حصول علم کی ترغیب دینے کے لئے علم حاصل کرنے والی اپنی اولاد کے لئے، یا متدین اولاد کے لئے یا جس کو کوئی فضیلت حاصل ہو اس کے لئے کوئی جائداد ہبہ کے طور پر خاص کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے (۴۱)۔

چوتھا قول: بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ باپ اپنی وفات سے پہلے ورثہ کے درمیان اپنا مال اگر ہبہ کے طور پر تقسیم کرتا ہے اور اس میں ہبہ کی تمام شرطیں پائی جا رہی ہیں تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر وراثت کے طور پر تقسیم کرتا ہے تو یہ درست نہیں، اس لئے کہ باپ ابھی زندہ ہے اور زندہ کی وراثت نہیں ہوتی (۴۲)، ابن حجر ہیتمی فرماتے ہیں: اگر باپ اپنی ملکیت کو اپنی اولاد کے درمیان تقسیم کر دے، اور اس کا طریقہ یہ ہو کہ ان میں سے ہر ایک ہبہ شریعت کے طریقہ پر جائداد کا مالک بنا دے، اور اس میں ہبہ کی تمام شرطیں (یعنی ایجاب و قبول، قبضہ، یا قبضہ کی اجازت کا ہونا) پائی جائیں، اور ہر ایک ہبہ کی ہوئی چیز پر قبضہ کر لے، اور یہ سب ہبہ کرنے والے کے ہوش و حواس کی حالت میں ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، اور ان میں سے ہر ایک کو جس جائداد پر ملکیت حاصل ہوئی ہے اس میں اس کا کوئی بھائی حصہ دار نہیں ہوگا، اور ان میں سے جو انتقال کر جائے تو جو بھی اس کی ملکیت میں زمین یا سرمایہ تھا وہ اس کے ورثہ کو دیا جائے گا...، اور اگر ان کے درمیان تقسیم ایسے طور پر کی گئی کہ ان کو شرعی طور پر مالک نہیں بنایا گیا تو یہ تقسیم باطل ہوگی، اور جب اس کا انتقال ہوگا تو اس کی تمام

جائداد اس کی اولاد کی وراثت ہوگی، اور "**للذکر مثل حظ الانثیین**" کے تحت تقسیم ہوگی (۴۳)۔

۳— اس مسئلہ میں عدل ومساوات کے مفہوم میں علماء کا اختلاف ہے، اور اس میں دو قول ہیں:

الف— ایک قول ہے: اس کا معنی مرد وعورت کے درمیان برابری کے ہیں، مالکیہ میں سے ابن القصار کا یہی رجحان ہے (۴۴)، اس لئے کہ اس سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث میں ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "**اتقوا اللہ واعدلوا فی أولادکم...**" (اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل سے کام لو)، اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "**إن لبنیک علیک من الحق أن تعدل بینھم**" (۴۵) (تمہاری اولاد کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کے درمیان عدل کرو)، اور آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "**سووا بین أولادکم فی العطیۃ، فلو کنت مفضلا أحداً لفضلت النساء**" (۴۶) (عطیہ دینے میں اپنی اولاد کے درمیان مساوات کا خیال رکھو، اگر میں کسی کو ترجیح دیتا تو عورتوں کو ترجیح دیتا)۔

ب— دوسرا قول ہے: عدل ومساوات سے مراد یہ ہے کہ اولاد کی میراث کے مطابق یعنی "**للذکر مثل حظ الأنثیین**" کے مطابق ان کے درمیان تقسیم ہو، مالکیہ میں سے ابن شعبان کا یہی رجحان ہے (۴۷)، اس لئے کہ اللہ تعالی نے ان کے لئے میراث کی تقسیم اس طرح کی ہے، اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، اور یہی ہبہ اور عطیہ میں اولاد کے درمیان مطلوب عدل ہے (۴۸)، وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

**حواشی:**

۱— اس فنی اصطلاح کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو علم میراث سے اشتغال رکھتے ہیں۔

۲— دیکھئے: رسالہ ابن ابی زید القیروانی، ص/۱۷۷، القوانین الفقہیہ لابن جزی الغرناطی، ص/۳۳۸۔

۳— مدونۃ الأسرۃ المغربیۃ نے اسی کو اختیار کیا ہے، جیسا کہ دفعہ ۳۳۲ میں اس کی صراحت ہے، جس میں لکھا ہے: مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی وراثت نہیں، اور نہ ان کے درمیان جن کے نسب کی شریعت نے نفی کر دی ہو۔

۴— بخاری: کتاب الفرائض، حدیث نمبر ۶۷۶۴: ، مسلم: کتاب الفرائض، حدیث نمبر ۱۶۱۴: ۔

۵— ابوداؤد: کتاب الفرائض، حدیث نمبر ۲۹۱۱: ، ترمذی: کتاب الفرائض، حدیث نمبر ۲۱۰۸: ، ابن ماجہ: کتاب الفرائض، حدیث نمبر ۲۷۳۱: ، مسند احمد، حدیث نمبر ۶۶۲۶: ۔

۶— اس مسئلہ کے دلائل کے لئے دیکھئے: الذخیرہ للقرافی ۱۳/۲۱—۲۲، فتح الباری لابن حجر ۱۲/۵۱، منح الجلیل لعلیش ۹/۶۹۳، الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۳/۲۶۔

۷— یہ دلائل دونوں فریق (جمہور اور ان کے مخالفین) کے درمیان مشترک ہیں۔

۸— سورۂ نساء ۵۶: ۔

۹—سورۂ ہود ۴۵: ۴۶۔

۱۰—دیکھئے: ویب سائٹ http://www.qaradawi.net/site/topics:

۱۱—مسند احمد، حدیث نمبر ۲۱۵۰۰: ، مسند احمد کی تخریج کرنے والوں کا کہنا ہے کہ منقطع ہونے کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے، ابوداؤد، حدیث نمبر ۲۹۱۲: ، حاکم ۴/ ۳۴۵، حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔

۱۲—بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۲۳۔

۱۳—دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۳/ ۳۵۷، طبع المکتب الثقافی السعودی مراکش، دراسۃ فی فقہ المقاصد: یوسف القرضاوی، ص/ ۱۸۷۔

۱۴—سابق عمید کلیۃ الشریعہ، جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، سعودی عرب، دیکھئے: ویب سائٹ : http://www.ahlalhadeeth.com/vb/archive/index.php/t-71164.html

اور یہ درج ذیل سوال کا جواب تھا: میں نصرانی باپ سے ایک مسلمان عورت ہوں، میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے جو فرانس میں مقیم تھے، انہوں نے میراث چھوڑی، لوگوں نے میراث میں سے میرا حصہ مجھ کو اس ملک میں بھیج دیا جہاں میں مقیم ہوں، تو کیا میرے لئے وہ حصہ لینا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے یا حرام ہے؟ ڈاکٹر الفنیسان نے پہلے جمہور کی رائے پیش کی، پھر اس کے بعد اس رائے کا ذکر کیا جس میں مسلمان کے لئے کافر کی میراث کو جائز قرار دیا گیا ہے، پھر آگے لکھا: کافر سے مسلمان کی میراث میں جب معاملہ اس طرح کا ہے تو میرا رجحان دوسرے قول کی طرف ہے، لہذا اس میراث کو لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور میری آپ سے ایک نصیحت یہ ہے کہ اس مال میں سے ایک حصہ کو اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیں۔

۱۵—ابوداؤد: کتاب الفرائض، حدیث نمبر ۲۹۱۲: ، مسند احمد، حدیث نمبر ۲۱۵۰۰: ۔

۱۶—اس کی تخریج گذر چکی ہے۔

۱۷—دراسۃ فی فقہ مقاصد الشریعۃ، ص/ ۲۷۹۔

۱۸—دار قطنی اور بیہقی نے اس کی روایت کی ہے، اور بخاری نے ابن عباس کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کا ذکر کتاب الجنائز، باب: إذا أسلم الصبی میں کیا ہے۔

۱۹—احکام اہل الذمہ لابن القیم، ص/ ۶۲۴ اور اس کے بعد کے صفحات، طبع جامعہ دمشق، تحقیق: صبحی الصالح۔

۲۰—حوالہ سابق۔

۲۱—ان مسائل سے مقصود ہے: کسی شخص کا میراث کے لئے اسلام لانا، میراث کی تقسیم سے پہلے اپنے کافر غلام کو آزاد کرنے والے کا ولاء کے ذریعہ وارث بننا، اور مسلمان کا اپنے ذمی رشتہ دار کا وارث بننا، ان تین مسائل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ شریعت کے محاسن میں سے ہیں۔

۲۲—احکام اہل الذمہ لابن القیم، ص/ ۶۲۴ اور اس کے بعد کے صفحات۔

۲۳—حوالہ سابق۔

۲۴—دراسۃ فی فقہ مقاصد الشریعہ، ص/ ۲۷۹۔

۲۵—بخاری: کتاب العلم، حدیث نمبر ۱۱۱: ، مسلم: کتاب الحج، حدیث نمبر ۱۳۷۰: ۔

۲۶—دراسۃ فی فقہ مقاصد الشریعہ، ص/ ۲۷۹۔

۲۷—اس کی تخریج گذر چکی ہے۔

۲۸—اس کی تخریج گذر چکی ہے۔

۲۹—مؤطاامام مالک بروایت محمد بن حسن الشیبانی،ص/۲۵۵، باب: لایرث المسلم الکافر۔

۳۰—حوالہ سابق۔

۳۱—سورۂ کافرون۶:۔

۳۲—سورۂ نساء۱۳۹:۔

۳۳—اِکمال المعلم للقاضی عیاض ۵/۳۵۰، فتح الباری لابن حجر ۵/۲۱۴۔

۳۴—المعلم للمازری ۲/۳۵۰، اِکمال المعلم للقاضی عیاض ۵/۳۴۹۔

۳۵—القوانین الفقہیہ لابن جزی،ص۲۴۱: ،المحلی لابن حزم ۹/۱۴۵۔

۳۶—بخاری: کتاب الہبہ، باب الہبہ للولد واِذا أعطی بعض ولدہ شیئا لم یجز حتی یعدل بینہم ویعطی ال آخرین مثلہ ولا یشہد علیہ، حدیث نمبر۲۴۴۶:۔

۳۷—فتح الباری لابن حجر ۵/۲۱۴۔

۳۸—اِکمال المعلم للقاضی عیاض ۵/۳۵۰۔

۳۹—أثرۃ: استبداد، اس کے مقابلہ میں ایثار آتا ہے، المصباح المنیر للفیومی، مادہ: أثر۔

۴۰—المغنی لابن قدامہ ۶/۲۳۳، فتح الباری لابن حجر ۵/۲۱۴۔

۴۱—الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۱۱/۳۶۰۔

۴۲—الفتاوی الفقہیہ الکبری لابن حجر الہیتمی ۵/۴۴، دار الفکر، بیروت۔

۴۳—حوالہ سابق، ج۴،ص۳۔

۴۴—المعلم للمازری ۲/۳۵۱، اِکمال المعلم للقاضی عیاض ۵/۳۴۹۔

۴۵—مسند احمد ۴/۲۶۹۔

۴۶—سعید بن منصور اور بیہقی نے اپنی سند سے اس کو روایت کیا ہے، اور ابن حجر نے فتح الباری (۵/۲۱۴) میں اس کو حسن قرار دیا ہے۔

۴۷—المعلم للمازری ۲/۳۵۱، اکمال المعلم للقاضی عیاض ۵/۳۴۹۔

۴۸—القوانین الفقہیہ لابن جزی،ص/۲۴۱۔

☆☆☆